

قرآن نہج البلاغہ کے آئینے میں

<?xml encoding="UTF-8">

(یہ مقالہ حضرت آیۃ اللہ مصباح یزدی کی کتاب ”قرآن اور آئینہ نہج البلاغہ“ سے ایک انتخاب ہے)

الف : قرآن کریم کی اہمیت و موقعیت :

۱۔ اس وقت فقط قرآن کریم ہی ایک آسمانی کتاب ہے جو انسان کی دسترس میں ہے۔

نہج البلاغہ میں بیس سے زیادہ خطبات ہیں جن میں قرآن مجید کا تعارف اور اس کی اہمیت و موقعیت بیان ہوئی ہے بعض اوقات آدھے سے زیادہ خطبے میں قرآن کریم کی اہمیت، مسلمانوں کی زندگی میں اس کی موقعیت اور اس کے مقابل مسلمانوں کے فرائض بیان ہوئے ہیں۔ یہاں ہم صرف بعض جملوں کو توضیح و تشریح پہ اکتفا کریں گے۔

امیر المومنین (علیہ السلام) خطبہ ۱۳۳ میں ارشاد فرماتے ہیں ”و کتاب اللہ بین اظہر کم ناطق لایعینی لسانہ“۔

ترجمہ : اور اللہ کی کتاب تمہاری دسترس میں ہے جو قوت گویائی رکھتی ہے اور اس کی زبان گنگ نہیں ۔

قرآن آسمانی کتابوں تورات و انجیل و وزبور کے برخلاف تمہاری دسترس میں ہے۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ تورات گذشتہ امتوں امتوں خصوصاً یہود اور بنی اسرائیل کے عوام کے پاس نہ تھی بلکہ اس کے کچھ نسخے علمائے یہود کے پاس تھے یعنی عامۃ الناس کے لئے تورات کی طرف رجوع کرنے کا امکان نہ تھا۔ انجیل کے بارے میں تو وضعیت اس سے زیادہ پریشان کنندہ ہے کیونکہ وہ انجیل جو آج عیسائیوں کے پاس ہے یہ وہ انجیل نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی بلکہ مختلف افراد کے جمع شدہ مطالب ہیں اور چار انجیل کے طور پر معروف ہیں۔ پس گذشتہ امتیں آسمانی کتابوں تک دسترسی نہ رکھتی تھیں۔

لیکن قرآن کریم کو خداوند متعال نے ایسے نازل فرمایا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے انسانوں تک ایسے پہنچایا کہ آج لوگ بڑی آسانی سے اسے سیکھ اور حفظ کر سکتے ہیں۔

اس آسمانی کتاب کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خداوند متعال نے امت مسلمہ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لی ہے کہ یہ کتاب ہر طرح کے انحراف یا مقابلہ آرائی سے محفوظ رہے۔ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے سیکھنے اور اس کی آیات کے حفظ کرنے کی مسلمانوں کو اس قدر تاکید فرمائی کہ بہت سارے مسلمان آپ کے زمانے میں ہی حافظ قرآن تھے جو آیات تدریجاً نازل ہوتی تھیں

تو حضرت (ص) مسلمانوں کے لئے بیان فرماتے تھے اس طرح مسلمان ان کو حفظ کرتے، لکھتے، اور ان کو آگے بیان کرتے۔ اس طریقے سے قرآن پوری دنیا میں پھیل گیا۔ مولائے کائنات فرماتے ہیں : اللہ کی کتاب تمہارے درمیان

اور تمہارے اختیار میں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس جملے میں ہم زیادہ غور کریں ”ناطق لایعینی لسانہ“ یہ کتاب بولنے والی ہے اور اس کی زبان کبھی گنگ یا کند نہیں ہوئی۔ یہ بولنے سے خستگی کا احساس نہیں کرتی اور نہ کبھی اس

میں لکنت پیدا ہوئی ہے اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں ”و بیت لا تہدم ارکانہ و عزلاتہزم اعوانہ“ یہ ایسا گھر ہے

جس کے ستون کبھی منہدم ہونے والے نہیں ہیں اور ایسی عزت و سربلندی ہے جس کے یار و انصار کبھی شکست نہیں کھاتے۔

۲۔ یہ کتاب ناطق بھی ہے اور صامت بھی۔

حضرت (ع) ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ناطق ہے جب کہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں یہ کتاب صامت ہے ناطق نہیں اس کو بولنے پہ آمادہ کرنا چاہئے اور یہ میں ہوں جو قرآن کو تمہارے لئے بیان کرتا ہوں۔ خطبہ ۱۴۷ میں یہ تعبیر استعمال ہوئی ہے ”صامت ناطق“ یعنی قرآن ساکت و خاموش ہے درآن حالیکہ ناطق و گفتگو کرنے والا ہے پس اس کا کیا معنی ہوا؟

غالباً قرآن حکیم کے بارے میں یہ دونکتہ نظر ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن ایک مقدس کتاب ہے لیکن خاموش، گوشہ نشین، جس کا کسی سے کوئی رابطہ نہیں اور نہ ہی یہ کتاب کسی سے ہم کلام ہوتی ہے۔ اس کے مقابل دوسرا زاویہ نگاہ ہے جس کے مطابق یہ کتاب ناطق و گویا ہے جو سب انسانوں سے مخاطب ہے اور اپنی پیروی و اتباع کا حکم دیتی ہے اپنے ماننے والوں کو خوشبختی اور سعادت کا پیغام دیتی ہے۔

پس اگر اس کتاب کو ہم فقط مقدس تصور کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے کلمات، جملے اور آیات صفحہ قرطاس پر نقش باندھے ہوئے ہیں جن کا مسلمان بہت احترام کرتے ہیں۔ اس کو بوسے دیتے ہیں اور گہرمیں انتہائی بہترین جگہ پر اس کو رکھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنی مجالس و محافل میں اس کی حقیقت و معانی پر غور و فکر تامل کئے بغیر تلاوت کرتے ہیں ایک ایسی خاموش کتاب ہے جو کسی محسوس و ملموس آواز سے گفتگو نہیں کرتی جو اس نظرئیے کا قائل ہے وہ ہرگز قرآن کریم سے ہم کلام نہیں ہو سکتا، قرآن کی آواز کو نہیں سن سکتا اور قرآن مجید بھی اس کی کسی مشکل کو حل نہیں فرماتا۔

بنابراین ہمارا فریضہ ہے کہ ہم قرآن کو کی کتاب سمجھیں اور خداوند عالم کے حضور انتہائی خشوع و خضوع اور جذبہ تسلیم و رضا کے ساتھ اس کتاب سے کلام سننے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کریں۔ یہ کتاب سراسرائین زندگی ہے۔ اس صورت میں یہ کتاب ناطق بھی ہے قوت گویائی بھی رکھتی ہے انسانوں سے ہم کلام بھی ہوتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی بھی کرتی ہے۔

ان دونکتہ ہائے نظر کے علاوہ قرآن کے صامت و ناطق ہونے کا ایک تیسرا معنی بھی ہے جو اس سے زیادہ گہرا اور عمیق ہے اور حضرت کا منظور نظر بھی یہی معنی ہے وہ معنی یہ ہے کہ قرآن ساکت و صامت ہے اس کو گفتگو پہ آمادہ کرنا چاہئے اور یہ میں ہوں جو قرآن کو تمہارے لئے بیان کرتا ہوں گویا اگرچہ قرآن کریم خداوند متعال کا کلام ہے اور اس کلام الہی کے صدور نزول کی حقیقت اس طرح ہے کہ ہم انسانوں کے لئے قابل شناخت نہیں جبکہ دوسری طرف نزول قرآن کا ہدف انسانوں کی ہدایت ہے تو یہ کلام کلمات، جملوں اور آیات کی صورت میں اس طرح سے نازل ہوا کہ بشر کے لئے پڑھنے اور سننے کے قابل ہو جائے اس کے باوجود ایسا نہیں ہے کہ تمام تر آیات کے مضامین و مفہیم عام انسانوں کے لئے قابل فہم ہوں۔ پس لوگ بھی پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آئمہ ہدی، (علیہم السلام) اور اسخون فی العلم کی تفسیر و تشریح کے بغیر آیات کے مقاصد کو نہیں پاسکتے۔

۳۔ مفسرین وحی الہی کی ضرورت :

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ذمہ داری امت مسلمہ کے لئے آیات الہی کی تفسیر و تشریح ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم“ نحل ۴۴۔

ترجمہ : ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل ہوا ہے بیان کریں۔ پس قرآن کریم کے عظیم معارف کے بیان کی ذمہ داری پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے کیونکہ اس کے معارف اس قدر عمیق اور گہرے ہیں کہ تمام لوگ اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

حضرت خطبہ ۱۵۸ میں ارشاد فرماتے ہیں :

”ذلک القرآن فاستنطقوه ولن ینطق ولكن اخبرکم عنه الا ان فیہ علم مایاتی والحديث عن الماضي ودواء دائکم ونظم ما بینکم“۔

ترجمہ : اس قرآن سے چاہو کہ تم سے کلام کرے اور یہ برگزتم سے ہم کلام نہیں ہوگا لیکن میں تمہیں اس سے آگاہ کروں گا یاد رکھو یقیناً اس میں مستقبل کے علوم اور ماضی کے حالات ہیں اور تمہاری امراض کی دوا ہے اور جو کچھ تمہارے مابین ہے اس کے بارے میں نظم و ضبط کی راہنمائی پائی جاتی ہے۔ پس معصومین (علیہم السلام) کی زبان مبارک سے اس کے بارے میں آشنائی حاصل کرنی چاہئے۔ علوم قرآن کو ان سے حاصل کرنا چاہئے۔ قرآن کریم الہی معارف کا سمندر ہے اس بحریکراں میں غوطہ زنی اور انسان سازی کے نایاب گوہروں کی تلاش کرنا ہستیوں کے بس کی بات ہے جو عالم غیب سے دائمی طور پر ارتباط میں ہیں۔ خداوند قدوس نے بھی یہی چاہا ہے کہ ان ہستیوں سے رابطہ اور توسل کے ذریعہ اور ان کی راہنمائی کے توسط سے قرآنی علوم و معارف سے راہنمائی حاصل کرو۔

ب : قرآن کریم کا معاشرتی زندگی میں اہم کردار :

۱۔ قرآن کریم ہر درد کی دوا ہے :

حضرت تمام مشکلات کے حل کے لئے قرآن کریم کا تعارف فرماتے ہیں۔ قرآن ہی وہ شفا بخش دوا ہے جو تمام دردوں کا درمان اور پریشانیوں کے لئے مرحم ہے۔ البتہ یہ واضح ہے کہ درد کی شناخت اور احساس کے بغیر علاج یا درمان کی بات کرنا بے فائدہ ہے۔ پس ابتدائی طور پر ضروری ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں گہرے غور و فکر کے ساتھ انفرادی اور معاشرتی دردوں کی شناخت اور مطالعہ کیا جائے اس کے بعد اس شفا بخش نسخہ کیمیاء عمل کیا جائے۔

خطبہ ۱۹۸ میں فرماتے ہیں : ”ودواء لیس بعدہ داء“ یعنی قرآن مجید ایسی دوا ہے کہ جس کے بعد کوئی درد، رہ نہیں جاتا یہ دوا بھی یقیناً اس وقت اپنا اثر دکھائے گی جب حضرت (ع) کے اس فرمان اور قرآن حکیم کے شفا بخش ہونے پر ایمان ہو بالفاظ دیگر ہمیں اپنے پورے وجود کے ساتھ باور کرنا چاہئے کہ ہمارا تمام تر انفرادی و اجتماعی دردوں اور مشکلات کا حقیقی علاج قرآن حکیم میں ہے۔ شاید ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی مشکل یہی ایمان کی کمزوری ہے کہ ابھی تک بہت ساری مشکلات باقی ہیں۔

۲۔ معاشرتی مشکلات کا بہترین حل :

اس سلسلے میں حضرت (ع) پیغمبر گرامی اسلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اذا التبت علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن“ (بحار الانوار ج ۹۲ ص ۱۷)۔

ترجمہ : جب کبھی سیاہ رات کی مانند تمہیں فتنے گھیر لیں تو قرآن کا دامن تھامنا۔
پس اضطراب، پریشان، مشکلات، ناہم آہنگیاں اور بے سروسامانیاں تمہارے معاشرے پر جب سیاہ رات کی مانند سایہ افگن ہوں تو ان کے حل کے لئے کہیں اور نہ جاننا بلکہ قرآن سے رجوع کرنا اس کی نجات بخش راہنمائی کو معیار و کسوٹی قرار دینا۔ قرآن کے امید بخش فرامین مشکلات پر قابو پاتے اور دلوں میں خوشبختی و سعادت کی امید کو زندہ کرتے ہیں۔ البتہ یہ واضح ہے کہ ہر کامیابی کے پیچھے انسانی کوشش اور جدوجہد کا بنیادی کردار ہے۔ پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی آزادی اور استقلال کی حفاظت کریں اور خدائے ذوالجلال کے سایہ رحمت و پناہ میں ہر سازش سے محفوظ رہیں تو چارہ ہی نہیں کہ اپنے خالق اور قرآن کریم کے نجات بخش احکام کی طرف لوٹ جائیں اس سلسلے میں آج تک جس ناشکری اور بی احترامی کے مرتکب ہوئے ہیں اس پہ توبہ و ندامت کی راہ لیں۔

۳۔ معاشرتی امور میں نظم و ضبط :

حضرت فرماتے ہیں: نظم ما بینکم“ یعنی مسلمانوں کے مابین روابط اور نظم و ضبط کو سروسامانی بخشنے والا قرآن حکیم ہے ہر سیاسی نظم و ضبط میں بڑا ہدف معاشرتی نظم و ضبط اور امن و امان کا قائم کرنا ہوتا ہے اور یہ بات قطعاً قابل انکار نہیں ہے۔ البتہ سماجی و معاشرتی زندگی میں ہدف کی اہمیت بھی اساسی ہے کیونکہ یہی ہدف ہے جو خاص طرح کے اعمال و کردار کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر معاشرے کے افراد اپنے اعمال و کردار سے اسی ہدف کو پانا چاہتے ہیں۔ یہ امر بھی نہایت روشن ہے کہ ہدف کا سرچشمہ اس معاشرے کے تمدن، ثقافت، تاریخ اور لوگوں کے عقائد ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ استعماری قوتیں ملتوں کے اصلی اور حقیقی ثقافت و تمدن کو چھین کر یا کھوکھلا کر کے ان کو اپنے اہداف و اغراض اور مفادات کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔

دینی ثقافت یا تمدن کا سرچشمہ قرآن حکیم اور توحیدی نظریہ کائنات ہے یہ تمدن ایک ایسے نظم اور سیاست کا تقاضا کرتا ہے جس میں خلقت کے ہدف کا حصول اور انسان کی دنیا و آخرت میں سعادت و خوشبختی کا فرما ہو۔ باعث افسوس ہے کہ بعض مغرب زدہ روشن فکر مسلمان معاشرتی نظم کو فقط مغربی جمہوریت میں دیکھتے ہیں جب کہ اس کی بنیاد لادینییت کا عقیدہ ہے۔ پس دینی اور قرآنی تمدن میں انسان کی نہ فقط مادی رفاه اور فلاح شامل بلکہ اخروی سعادت و تکامل بھی مورد توجہ و اہمیت ہے اس امر کی طرف توجہ بہت ضروری ہے کہ قرآن کریم اس صورت میں شفا بخش ہے جب اس کی ہدایت اور فرامین کو محض اخلاقی نصیحتیں تصور نہ کیا جائے بلکہ تمام تر معاشرے اور حکومت کی کلی سیاست، عمل اور پروگراموں میں قرآن کریم کی ہدایات کو نافذ العمل کیا جائے۔

۴۔ قرآن کریم سے وابستگی بے نیازی کا باعث ہے۔

اسی خطبے میں حضرت (ع) ارشاد فرماتے ہیں: ”یقین کرو قرآن ایسا نصیحت کرنے والا اور موعظہ کرنے والا ہے جو اپنے پیروکاروں سے خیانت نہیں کرتا ایسا ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا ایسا کلام کرنے والا ہے جو جھوٹ نہیں بولتا اور جو کوئی بھی قرآن کا ہم نشین ہو اور اس میں تدبیر و تفکر کرے تو جب اٹھے گا تو اس کی ہدایت و سعادت میں اضافہ ہو جب کہ اس کی گمراہی میں کمی واقع ہوگی۔“

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :

”واعملوا انہ لیس علی احد بعد القرآن من فاقہ ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوہ من ادوائکم واستعینوا بہ علی لادوائکم فان فیہ شفاء من اکبر الداء وبوالکفر والنفاق والغی والضلال۔“

ترجمہ : یقین کے ساتھ جان لو کہ کوئی بھی قرآن کے بعد فاقہ کشی نہیں اور اس سے قبل کوئی بھی غنی نہیں پس اپنے امراض کی شفا اس سے طلب کرو اور اپنے ٹھکانوں اور پناہ گاہوں کے لئے اس سے مدد طلب کرو پس یقیناً اس میں سب سے بڑے امراض کی شفا ہے اور وہ کفر، نفاق، جہالت، اور ضلالت و گمراہی ہے۔ معاشرے میں قرآن کی حاکمیت کے ہوتے ہوئے انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جو پوری نہ ہو کیونکہ خداوند متعال نے توحید پرستوں کی دنیا و آخرت میں سعادت کی ضمانت دی ہے۔ پس قرآن کو نمونہ عمل قرار دینے سے اسلامی معاشرہ ہر چیز اور ہر کس و ناکس سے بے نیاز ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت (ع) ایک سنجیدہ مطلب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: ”ولا لاحد قبل القرآن من غنی“ یعنی کوئی بھی قرآن کے بغیر بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کے علوم و تجربے میں جتنا بھی اضافہ ہو جائے معاشرتی مشکلات اور کمیاں دور کرنے کے جتنے بھی فارمولے تیار کر لے، عدل و انصاف کے تقاضوں کو جتنا بھی پورا کر لے اور اخلاقی و انسانی اقدار کو رائج کرے لیکن قرآن کے بغیر ان امور سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا یعنی یہ کہ انسان قرآن سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر عاقل اس کا اقرار کرتا ہے کہ انسان کی تمام تر علمی ترقی اس کے مجہولات کے سمندر کے مقابلے میں قطرے سے زیادہ نہیں۔

۵۔ قرآن کریم آفتاب کی طرح عالم تاب ہے :

خطبہ ۱۹۸ میں اسلام اور پیغمبر اسلام (ص) کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں :

”ثم انزل علیہ الكتاب نوراً لا تطفأ مصابیہ وسراجاً لا یخرب توقدہ وبحراً لا یدرک قعرہ“

ترجمہ : پروردگار نے قرآن کو اس صورت میں اپنے حبیب پر نازل فرمایا کہ یہ ایک نور ہے جس کے چراغ ہرگز بجھنے والے نہیں، ایسا آفتاب ہے جس کی روشنی کبھی ختم ہونے والی نہیں اور ایک ایسا گہرا سمندر جس کی گہرائی کو کوئی پانہیں سکتا۔

اس خطبے میں قرآن کریم کے لئے آپ نے تین تشبیہات استعمال فرمائی ہیں سب سے پہلے تو قرآن کی عظمت سے مسلمانوں کے قلوب کو آشنا فرماتے ہیں پھر اس عظیم سرمایہ الہی کی طرف متوجہ فرماتے ہیں جو مسلمانوں کے پاس ہے فرماتے ہیں درحالیکہ قرآن نور ہے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمایا لیکن یہ

نور باقی انوار سے مختلف ہے اس خصوصیت کے ساتھ کہ اس کے نور پھیلانے والے چراغ ہرگز نہ بجھیں گے۔ اس کی تابش کبھی ختم نہ ہوگی جو انسانوں کو، انسانی سماج، سعادت کے متلاشیوں کو خوشبختی کے راہیوں کو منحرف راستوں، سقوط ہولناک دروں سے نجات دلائے گی۔ پس راہ حق ہمیشہ کے لئے مستقیم اور روشن ہے۔ ایک اور مقام پر حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ تاریکی اس کے مقابلے میں ٹہرنہیں سکتی کیونکہ اس کے چراغ ہمیشہ راہ سعادت و ہدایت کو روشن رکھتے ہیں یہ چراغ اور مفسران وحی الہی آئمہ اطہار (علیہم السلام) ہیں۔

6۔ قرآنی آئینے اور چراغ :

حدیث ثقلین کی روشنی میں ”قرآن اور عترت“ ایسے دو الہی عطیے ہیں جو ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ حکمت و روش الہی اس طرح قرار پائی ہے کہ لوگ اہل بیت (علیہم السلام) کے ذریعہ سے معارف قرآن سے آشنا ہوں۔ بنابرین اللہ تعالیٰ نے طالبان سعادت کے لئے امامت کا ایک دائمی راستہ مقرر فرمایا۔ قرآنی معارف اس قدر گہرے وسیع و عمیق ہیں انسان جس قدر اہل بیت (ع) کے علوم میں تفکر و تدبر کرے اتنا ہی قرآن کی عظمت اور معرفت و عرفان کے چشمے پہوٹنے شروع ہو جاتے ہیں۔ توحید کے اس بحر زخار سے جتنا پیتے جائیں تو سیراب ہونے کی بجائے انسان تشنہ تر ہوتا جاتا ہے۔

7۔ قرآن کریم کے پیروکار کے لئے اصلاح و سعادت :

یہ زندگی چونکہ آخرت کی کھیتی ہے۔ لہذا انسان کا تمام ہم و غم آخرت کی سعادت ہونا چاہئے۔ بس اگر انسان اپنے اعمال و کردار کو قرآن کریم اور اہل بیت علیہم السلام کے معارف و علوم کے مطابق بنائے تو دنیا و آخرت کی عزت و سربلندی حاصل کر سکتا ہے۔

امام علیہ السلام خطبہ ۱۷۱ میں ارشاد فرماتے ہیں :

”فاسالوا اللہ بہ وتوجهوا الیہ بحبہ ولاتسالوا بہ خلقہ انہ ماتوجه العباد الی اللہ بمثلہ واعلموا انہ شافع مشفع وقائل مصدق وانہ من شفیع لہ القرآن یوم القیامۃ شفیع فیہ ومن محل بہ القرآن یوم القیامۃ صدق علیہ“۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ سے قرآن کے ذریعے سوال کرو اور پروردگار کی طرف اس کی محبت کے ذریعے سے متوجہ ہو جاؤ اور مخلوق خدا سے مانگنے کے لئے قرآن کو ذریعہ قرار نہ دو کیونکہ انسان بھی اپنے اور خدا کے مابین قرآن جیسا واسطہ نہیں رکھتے۔ یقین کے ساتھ جان لو کہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت قبول شدہ ہے یہ ایسا بولنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ قیامت کے دن جس کی شفاعت قرآن نے کی تو یہ شفاعت اس کے حق میں قبول کی جائے گی اور قیامت کے دن جس کی مذمت قرآن نے کی تو معاملہ اس کے نقصان میں ہوگا۔

۸۔ قرآن خیرخواہ اور نصیحت کرنے والا ہے :

امام علیہ السلام فرماتے ہیں :

”فكونوا من حرثه واتباعه واستدلوه على ربكم“۔

لوگو! قرآن کے جمع کرنے والوں اور پیروکاروں میں سے ہو جاؤ اور اس کو اپنے پروردگار کے لئے دلیل قرار دو۔
اللہ کو اس کے کلام سے پہچانو۔ پروردگار کے اوصاف کو قرآن کے ذریعے پہچانو قرآن ایسا راہنما ہے جو تمہیں اللہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

اس راہنمائی کے ذریعے اس کے بھیجنے ہوئے رسول کی معرفت حاصل کرو اور اس اللہ پر ایمان لے آؤ جس کا تعارف قرآن کرتا ہے۔

”واستنصحواعلى انفسكم“

قرآن کو اپنا ناصح قرار دو اور اس کی خیر خواہانہ نصیحتوں پر عمل کرو کیونکہ تم انسان ایک دل سوز، خیر خواہ کے محتاج ہو جو تمہیں ضروری مقامات پر نصیحت کرے۔ پس قرآن وہ پرسوز دل سوز ناصح ہے جو تم سے کبھی خیانت نہیں کرتا اور تمہیں انتہائی بہترین انداز سے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

”ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم ويبشّر المؤمنين الذين يعملون الصالحات ان لهم اجرا كبيرا“۔

ترجمہ: بے شک یہ قرآن تمہیں انتہائی مستحکم و پائیدار راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جو مومنین اعمال صالح بجالاتے ہیں ان کو بشارت دید کہ ان کے لئے یقیناً بہت بڑا اجر ہے۔

یہاں سب سے اہم نکتہ اس آیت مبارکہ کے مضمون پر قلبی اعتقاد ہے کیونکہ جب تک انسان یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو، اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے حوالے نہ کر دے اور خود کو خواہشات نفسانی سے پاک نہ کرے تو ہر وقت یہ خطرہ موجود ہے کہ شیطانی وسوسوں کا شکار ہو جائے۔ قرآن کریم کا کوئی بھی حکم انسانی حیوانی و نفسانی خواہشات سے سازگار نہیں ہے جو شخص اپنی ہی خواہشات کو مدنظر رکھتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ قرآن بھی اس کے رجحانات، خواہشات کے مطابق کلام کرے اور جیسے ہی کوئی آیت اس کی خواہشات و ترغیبات کے مطابق نظر آئے تو اس کا بھرپور استقبال کرتا ہے پس عقل کا تقاضا ہے کہ انسان خالی الذہن اور خالی دامن ہو کر فقط عشق الہی کا جذبہ لے کر قرآن کی بارگاہ میں حاضری دے۔

ج : قرآن کریم کی شناخت اس کے مخالفین کی شناخت میں مضمر ہے :

گذشتہ گفتگو کی روشنی میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا قرآن کریم سے استفادہ کا طریقہ کاری یہی ہے کہ ہم فقط مذکورہ بالا فرامین پر عمل کریں؟

اس سوال کے جواب میں اگر ہم قرآن مجید کو وسیع نظر سے دیکھیں تو اس کے مقابلے میں منحرف افکار نظر آئیں گے۔ ان منحرف افکار نے ہمیشہ سے انسان کو گمراہی اور باطل کی طرف دھکیلا ہے۔ پس قرآنی تمدن کو نافذ کرنے اور معاشرے میں دینی عقائد و اقدار کو رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مخالفین قرآن کے افکار اور ان کی سازشوں سے معرفت حاصل کی جائے جب کہ یہ نکتہ غالباً غفلت کا باعث ہو جاتا ہے حق و باطل چونکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے بالمقابل رہے ہیں لہذا ہمیں حق کی شناخت و معرفت کے ساتھ ساتھ باطل کی بھی پہچان کرنی چاہئے اس

چیز کے پیش نظر امام (ع) فرماتے ہیں:

”واعلموا انکم لن تعرفوا الرشده حتی تعرفوا الذی ترکہ ولن تاخذوا میثاق الکتاب حتی تعرفوا الذی نقضہ“۔

ترجمہ : یقین کے ساتھ جان لو کہ تم راہ ہدایت کو ہرگز نہیں پہچان سکتے جب تک تم اس کو نہ پہچانو جس نے ہدایت کو ترک کر دیا ہے اور تم ہرگز پیمان الہی (قرآن) پہ عمل پیرا نہیں ہو سکتے جب تک تم پیمان شکن عہد شکن کو نہ پہچان لو۔

یعنی یہ کہ تم قرآن کے حقیقی پیروکار اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک تم قرآن کی طرف پشت کرنے والوں کی معرفت حاصل نہ کرلو۔ حضرت (ع) کے اس فرمان میں بڑے واضح طور پر دشمن شناسی پر زور دیا گیا ہے۔ اس سے علمائے علم دین کا فریضہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو جاتا ہے بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ انحرافی افکار اور ملحدین کے شبہات اعوام خصوصاً نوجوانوں کو انحرافات کا شکار کر رہے۔

حضرت امام علی کی پیشین گوئی اور تنبیہ

اگرچہ حضرت کا مورد خطاب عامۃ الناس ہیں لیکن بہت سارے موارد میں معاشرے کے خاص افراد یا خاص گروہوں کو مورد خطاب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جو معاشرے کی تہذیب و ثقافت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو اپنے دنیاوی اہداف و اغراض کی خاطر خدا اور اس کے رسول کی طرف جھوٹ اور دروغ گوئی کی نسبت دیتے ہیں۔ قرآن اور دین کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں۔ عوام کے بارے فرماتے ہیں: اس زمانے کے لوگ بھی ایسے ہی ہیں اگر قرآن کریم کی صحیح و حقیقی تفسیر و تشریح ہو تو ان کے نزدیک سب سے زیادہ بے قیمت چیز ہے لیکن اگر ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہو تو ایسی تفسیر کے دلدادہ ہیں۔ ایسے زمانے میں شہروں میں دینی والہی اور غیر دینی اقداران کے لئے محبوب ہوں گی اس خطبے کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

”فاجتمع القوم علی الفرقة وافترقوا عن الجماعة کانهم آئمة الکتاب ولیس الکتاب امامهم“۔

ترجمہ: اس زمانے کے لوگوں نے افتراق و اختلاف پر اجتماع کر لیا ہے انہوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے یہ لوگ ایسے ہیں جیسے قرآن کے امام و رہبر یہ ہوں جب کہ قرآن ان کا امام نہیں ہے۔

گویا امام (علیہ السلام) کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اجتماع کر لیا ہے کہ قرآن کریم کہ حقیقی مفسر پیدا ہی نہ ہوں یہ لوگ عالم نما جاہلوں کی پیروی کرتے ہیں جو خود کو قرآن کا رہبر جانتے ہیں اور قرآن کی اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق تفسیر کرتے ہیں انہوں نے حقیقی مسلمانوں، علماء اور مفسرین سے جدائی اختیار کر لی ہے۔ یہ لوگ عملاً قرآن کو اپنا رہبر نہیں مانتے بلکہ خود اس کے رہبر ہیں۔